29-08-2016

مِلّتِ حنیف

مفتی منیب الرحمٰن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآنِ مجید میں ''دینِ حنیف'' اور ''مِلّتِ حنیف'' کا حامل اور داعی قرار دیا گیا ہے۔حنیف کے معنی ہیں: ''باطل کی طرف کسی میلان یا جھکاؤ سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے پوری عزیمت کے ساتھ حق پر قائم رہنا''۔حق کو صراطِ مستقیم سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اہلِ کتاب نے کہا: یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو ہدایت یافتہ ہوجاؤ گے، آپ کہیے: بلکہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں جو ہر باطل سے اجتناب کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، (البقرہ:135)''۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اُس دور میں یہود صرف یہودیت کو اور نصرانی صرف مسیحیت کو ہدایت ونجات کا مدار سمجھتے تھے اور اُن میں سے ہر گروہ اپنے دین کی طرف دعوت دیتا تھا۔یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ صرف وہی ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اُن کے باطل دعووں کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ وہ ہر باطل سے اعراض کرنے والے مُسلم تھے اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے، (آل عمران 67)''۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک کی تمام صورتوں کو مٹانے کے لیے آئے تھے، مُجدِّدِ انبیاء تھے، اُولوالعزم رسول تھے اور تنہا باطل کے مقابل میدان میں استقامت کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔حق کی راہ میں انہیں طرح طرح کی آزمائشوں، مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور (یاد کیجیے!) جب ابراہیم کے رب نے کئی باتوں میں اُن کی آزمائش کی، تو انہوں نے اُن کو پورا کردیا، اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: اور میری اولاد سے بھی، (اللہ نے) فرمایا: میرا عہد (منصبِ امامت) ظالموں کو نہیں پہنچتا، (البقرہ:124)''۔

ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی خدائی کی نفی فرماتے اور اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دیتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا آپ نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اُن کے رب کے متعلق (ابراہیم کے اس دعوے پر) جھگڑا کیا کہ اللہ نے اُس (نمرود) کو بادشاہت عطا فرمائی ہے، جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو حیات عطا کرتا ہے اور اُسے سلب کرتا ہے، (نمرود نے) کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، (ابراہیم نے) کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، سو (اگر تجھے خدائی کا دعویٰ ہے) تو اُسے مغرب سے نکال لا، تو کافر کے ہوش اڑ گئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، (البقرہ:258)''۔اس سے معلوم ہوا کہ باطل خدائی کا دعویٰ کرنے والے خدائی اختیارات کے بھی دعوے دار ہوتے ہیں اور اسی بنا پر نمرود لاجواب ہوا۔

اللہ کے رسولوں کا مشن محض مناظرے میں غلبہ پانا اور اپنی برتری جتانا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ خالی الذہن اور عقلِ سلیم والے

لوگوں کے ذہنوں میں حق کو جاگزیں کرنا ہوتا ہے، اِس لیے ایسی لفظی بحثوں اور منطقی دلائل میں الجھتے نہیں ہیں، جو عام لوگوں کی ذہنی سطح سے بالاتر ہوں۔ ورنہ وہ یہ بحث کر سکتے تھے کہ احیاء یعنی زندگی عطا کرنا اور اماتت یعنی زندگی سلب کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں، جو تم سمجھے۔قتل یا سمندر میں ڈوب جانا یا سیلاب میں بہہ جانا یا ملبے تلے دَب جانا یا بلندی سے گر جانا یا درندے کا چیر پھاڑ لینا یا کسی بم بلاسٹ یا آگ میں جل جانا وغیرہ یہ سب اسبابِ موت ہیں، اِن تمام صورتوں میں موت دینے والا یعنی مُمِیتُ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہی صورتِ حال اُس وقت پیش آئی جب قومِ نمرود اپنے میلے پر گئی ہوئی تھی، تو ابراہیم علیہ السلام نے سوائے بڑے بُت کے اُن کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ جب وہ میلے سے واپس آئے تو آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے کہ ہمارے خود تراشے ہوئے اِن خداؤں کا یہ حشر کس نے کیا؟۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''انہوں نے کہا: ایک جوان کو اِن بتوں کا (ناپسندیدگی کے ساتھ) ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے، (الانبیاء:60)''۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو برسرِ عام طلب کیا گیا اور آپ سے اس بارے میں باز پُرس ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: ''(مجھ سے سوال کرنا عبث ہے)، یہ بڑا بُت (موجود) ہے، اگر یہ بُت بات کرتے ہیں، تو انہی سے پوچھ لو، پس انہوں نے اپنے دلوں سے رجوع کیا اور (دل ہی دل میں) کہا: بے شک تم ظالم ہو، پھر انہوں نے (شرم کے مارے) سر جھکا لیے (اور کہا:) آپ کو معلوم تو ہے، یہ بت بول نہیں سکتے، (ابراہیم نے) کہا: کیا تم اللہ کے مقابل ان (باطل معبودوں) کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، (الانبیاء:66-64)''۔

ابراہیم علیہ السلام قوم کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہی وہ ہے جس کی قدرت، علم اور ارادہ ہر چیز پر محیط ہے اور اُس کی مَشِیئَت ہر چیز پر نافذ ہے۔ خود تراشیدہ بُت ہوں یا مظاہرِ کائنات ہوں یا کوئی غیبی طاقتیں از قسمِ جنّات وغیرہ ہوں یا انسان خدا بن بیٹھے ہوں، یہ سب قادرِ مطلق کے سامنے بے بس ہیں، اِن کی طاقت اور ہر عروج و کمال عارضی اور فانی ہے، اللہ چاہے تو آنِ واحد میں سَلب فرمالے۔ ابدی اور دائمی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔شرک توحید کی ضِد ہے۔

شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک مانا جائے، خواہ کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود (Self Extent) مانا جائے جیسا کہ مجوس مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں، (شرح العقائد، ص:56)''۔اس تعریف کی رُو سے الوہیتِ حقیقی کو ہم دو چیزوں سے تعبیر کرسکتے ہیں: (1) وجوب وجود (2) استحقاقِ عبادت۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا واجب الوجود یا مستحقِ عبادت مانے، تو یہ شرک ہے۔ واجب الوجود کے معنی ہیں: ایسی ہستی جس کی کوئی ابتدا و انتہا نہیں ہے، وہ ایسا اوّل ہے، جس سے پہلے کوئی اور نہیں اور وہ ایسا آخر ہے، جس کے بعد کوئی اور نہیں۔ اسی کو ہمارے فلسفے کی اصطلاح میں ازلی اور ابدی کہا جاتا ہے۔ الغرض واجب الوجود وہ ہے، جو مسبوق بالعدم نہیں ہے، یعنی اُس پر عدم و فنا کبھی طاری نہیں ہوا، وہ عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ مزید آسان لفظوں میں واجب الوجود وہ ذات ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، وہ کسی کے خَلق سے وجود میں نہیں آیا، بلکہ اُس کا وجود اپنی ذات سے ہے۔ اِسی حقیقت کو ہم دوسرے لفظوں میں ''لامتناہی'' سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ ملحدین، عقل کو حتمی اور قطعی معیار ماننے والوں اور مادّہ پرستوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا دشوار ہے، کیونکہ لامحدود حقیقت کا احاطہ محدود عقل نہیں کرسکتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(1) ''نگاہیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ ہر چیز کی باریکیوں کو جاننے والا

(ہر چیز کے ظاہر و باطن سے) بہت باخبر ہے، (الانعام:103)''۔(2)''اور انہوں نے اللہ کے لیے جنّوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اُس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور اُن لوگوں نے جہالت سے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں اختراع کرلیں، وہ (ان اوصاف سے) پاک اور بالاتر ہے، جو وہ بیان کرتے ہیں، وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اُس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اُس کی بیوی ہی نہیں ہے اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، سو تم اُس کی عبادت کرو، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، (الانعام 102-100)''۔

شرکِ صریح تو یہ ہے کہ اللہ کے مقابل غیر اللہ کی عبادت کی جائے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''کہہ دیجیے! مجھے فقط اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کروں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، اُسی کی جانب میں بلاتا ہوں اور اُسی کی جانب لوٹ جانا ہے، (الرعد:36)''۔ مسلمانوں کے اندر یہ شرکِ صریح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی اور کی عبادت کریں، لیکن کئی ایسی چیزیں ہیں جو توحید کے منافی ہیں اور کچھ کو تو رسول اللہ ﷺ نے شرکِ اصغر سے تعبیر فرمایا ہے:

محمود بن لَبید بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا خوف ہے، وہ شرکِ اصغر ہے، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: ریا کاری (یعنی بندوں کو خوش کرنے کے لیے یا اُن کی عقیدت کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے نیک کام کرنا)، (آپ ﷺ نے فرمایا:) قیامت کے دن جب بندوں کو اُن کے نیک اعمال کی جزا دی جائے گی، تو اللہ تعالیٰ ریا کاروں سے فرمائے گا: دنیا میں جن کو دکھانے کے لیے تم (بظاہر) نیک کام کرتے تھے، اُن کے پاس جاؤ، کیا اُن کے پاس تمہارے لیے کوئی جزا ہے، (مسند احمد 23630)''۔

اِسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ نصاریٰ کو اُن مشترکات پر آنے کی دعوت دیں جو ظاہر میں مسلمانوں کی طرح نصاریٰ میں بھی مُسَلّم تھیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر (مُسَلّم) ہے، (وہ یہ کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے مقابل کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سو اگر وہ پھر جائیں (یعنی اس میثاق کو نہ مانیں)، تو تم کہہ دو: (لوگو!) تم گواہ رہو، بے شک ہم مسلمان ہیں، (آل عمران:65)''۔ عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! ''اِس بت کو اتار کر پھینک دو''اور میں نے سنا کہ آپ ﷺ سورۂ براءت کی یہ آیت تلاوت کر رہے تھے: (ترجمہ): ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے مقابل رب بنالیا ہے''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک وہ اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ اِن کے لیے کسی (حرام) چیز کو حلال قرار دیتے، تو یہ اُسے حلال مان لیتے اور جب وہ اِن کے لیے کسی (حلال) چیز کو حرام قرار دیتے، تو یہ اُسے حرام تسلیم کرلیتے، (سنن ترمذی: 3106)''۔ اس سے معلوم ہوا کہ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے یا اُس کے اِذن سے رسول اللہ ﷺ کا اختیار ہے۔ کسی غیر اللہ کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، یہ اختیار دینا عملاً اُسے رب ماننا ہے اور قرآنِ مجید نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

(روزنامہ دنیا، 29 اگست 2016ء)